OPEN ACCESS
ABHATH
(Research Journal of Islamic Studies)
Published by: ***Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore.***

ISSN (Print) : 2519-7932
ISSN (Online) : 2521-067X
October-December-2024
Vol: 9, Issue: 36
Email:abhaath@lgu.edu.pk
OJS:https://ojs.lgu.edu.pk/index.php/abhath/index

دورِ حاضر کے تقاضے اور اصول الفقہ کی تدوینِ نو کے اصول واسالیب

The requirements of the present era and the principles and methods of re-construction of the principles of jurisprudence

Sultan Sikandar
Postdoc fellowship IRI, International Islamic University, Islamabad
Assistant Professor of Islamic Studies, Govt, Islamia Graduate College, Railway Road, Lahore:
sultanpu3@gmail.com
Muhyuddin Hashmi
Dean Faculty of Arabic and Islamic Studies, AIOU, Islamabad:
mohyuddinh@gmail.com

DOI: https://doi.org/10.54692/abh.2024.09361758

Abstract

The principles of Islamic jurisprudence (Fiqh) have historically provided a comprehensive legal framework rooted in the Quran, Sunnah, consensus (Ijma), and analogy (Qiyas). However, as the world undergoes rapid transformations driven by technological advancements, globalization, and evolving social norms, applying traditional Islamic legal principles faces new challenges. The present era demands a fresh approach to reconstructing Islamic jurisprudence that aligns with contemporary realities while remaining faithful to its foundational sources. This paper explores the need to reform Islamic jurisprudence's principles and methods in response to modern demands such as digital privacy, human rights, environmental concerns, and the increasing complexity of global interconnectivity. It highlights the importance of contextualizing traditional legal rulings within the socio-political and technological landscape of the 21st century. The reconstruction process is proposed through an integrative framework that combines ijtihad (independent legal reasoning) with contemporary methods, including interdisciplinary approaches from fields such as economics, sociology, and political science. By fostering a more dynamic and context-sensitive approach to Islamic law, the paper advocates for developing new jurisprudential methodologies that emphasize justice, equity, custom and public welfare. Ultimately, the article argues that the principles of Islamic

jurisprudence can evolve to address modern challenges, ensuring that the law remains relevant, adaptable, and aligned with the social welfare and objective of Sharia while promoting social harmony and global justice.

Keywords: Fiqh, principles of Islamic law, ijtihad, reconstruction of jurisprudence, legal reform, contemporary challenges, public welfare.

اَدِلَّہ سے استنباطِ احکام کے وقت جن اصولوں کالحاظ رکھا جائے وہ اصول الفقہ کہلاتے ہیں زیر نظر مقالہ میں اصول الفقہ کا یہ ہی معنٰی مراد لیا گیا ہے اور اس معنٰی میں اصول الفقہ کی تدوینِ نو کے اسالیب پر گفت گو کی جائے گی۔ اصول بمعنی مآخذ یعنی اَدِلَّہ بذات خود ہوں توان کی تدوینِ نو اس مقالے کا موضوع نہیں ہے لیکن ان اَدِلَّہ کو موضوع کا حصہ ضرور بنایا جائے گا کیوں کہ تدوینِ نو میں اَدِلَّہ اور اَحکام دونوں موضوعی گفت گو میں شامل ہوتے ہیں۔بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا اصول الفقہ کی تدوینِ نو ممکن ہے یا نہیں اور اگر ممکن ہے تو اس کے اسباب کیا ہیں اور تدوینِ نو کی حدود و قیود کیا ہوں گی۔

اصول الفقہ کا معنی و مفہوم اور شریعت میں مقام و مرتبہ

اصول الفقہ کے معانی و مفاہیم کے بیان میں اصولیین نے تعریفِ اضافی اور تعریفِ لقبی دو طرح کے اسالیب اپنائے ہیں۔ اول الذکر میں اصول اور فقہ (مضاف اور مضاف الیہ) کی الگ الگ تعریف کی جاتی ہے اور ثانی الذکر میں اصول الفقہ کی باقاعدہ علم اور فن کی حیثیت سے تعریف کی جاتی ہے۔اس مقام پر صرف تعریفِ لقبی پر اکتفا کرتے ہوئے جامع طریقِ اصول الفقہ کے داعی اصولیین کی بیان کردہ تعریف ذکر کی جا رہی ہے۔

اَلْعِلْمُ بِالْأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ الْعَمَلِيَّةِ مِنْ أَدِلَّتِهَا التَّفْصِيْلِيَّةِ۔[1]

"شریعت کے عملی احکام کا تفصیلی دلائل سے جاننا فقہ کہلاتا ہے۔"

[1]۔المحبوبی، عبیداللہ بن مسعود البخاری الحنفی ، صدر الشریعہ (ت : ۷۴۷ھ) ، التنقیح مع شرح التلویح علی التوضیح: تحقیق: زکریا عمیرات، لبنان، بیروت دارالکتب العلمیة، ۱۴۱۶ھ، ۱۸/۱۔
Al-Maḥbūbī, ʿUbaydullāh ibn Masʿūd al-Bukhārī al-Ḥanafī, Ṣadr al-Sharīʿah (t: 747 AH), al-Tanqīḥ maʿa Sharḥ al-Talwīḥ ʿalā al-Tawḍīḥ: Taḥqīq: Zakariyyā ʿUmairāt, Lubnān, Bayrūt, Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1416 AH, 1/18.

اصول الفقہ سے مراد وہ قواعد و ضوابط اور اصول ہیں جن سے کام لے کر ایک فقیہ مآخذ شریعت سے فقہی احکام معلوم کرتا ہے اور روزمرہ پیش آنے والے عملی مسائل کے لیے تفصیلی ہدایات مرتب کرتا ہے۔ علامہ صدر الشریعہ نے تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

اَلْعِلْمُ بِالْقَوَاعِدِ اللَّتِیْ یُتَوَصَّلُ بِھَا اِلَیْہِ (الی الفقہ) عَلٰی وَجْہِ التَّحْقِیْقِ[2]

" اصول الفقہ ایسے قواعد کا علم ہے جن قواعد کے ساتھ فقہ تک " توصل علیٰ وجہ التحقیق" ہو جائے۔"

مذکورہ بالا تعریفات سے یہ معلوم ہوا کہ فقہ اور اصول الفقہ میں الفاظ کے ساتھ معانی اور موضوع کے اعتبار سے بھی فرق ہے کیوں کہ فقہ کا موضوع "فعل الانسان" ہے اور اصول الفقہ کا موضوع " اَدِلَّہ اجمالیہ" ہیں اور حکم ' اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے اور اصول الفقہ میں نفس خطاب سے بحث ہوتی ہے جب کہ فقہ میں خطاب کے اثر کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ لیکن دونوں کی غرض و غایت حکم شرعی کو جاننا ہے۔

گویا کہ شریعت کا اطلاق ان احکامات پر کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمائے ہیں خواہ قرآنِ مجید کے ذریعے ہوں خواہ سنتِ نبویہ کے ذریعے، عام ازیں کہ خود ان کا تعلق اعتقادات سے ہو یا علم کلام سے یا عمل سے ہو، اور فقہ کا اطلاق شریعت کے صرف ایک حصے پر آتا ہے جس کا تعلق عمل سے ہے۔ گویا شریعت اور فقہ کا تعلق کل اور جزء والا ہے اور اصول الفقہ عملی جزئیات کے اخذ و اکتساب میں ممد و معاون اصول اور قواعد کا نام ہے۔

اصول الفقہ کی تدوین

اصول الفقہ یا بالفاظ دیگر قانون سازی کے اصول کا فن دنیا میں سب سے پہلے مسلمانوں نے ایجاد کیا۔ اصول الفقہ کی تدوین سب سے پہلے امام شافعی نے اپنی کتاب "الرسالۃ' ' میں کی۔ اس کتاب میں انہوں نے بیان اور اس کی اقسام، عام و خاص، ناسخ و منسوخ، علل احادیث، خبر واحد کی حجیت، اجماع، قیاس، استحسان اور اختلاف علماء پر تفصیلی گفت گو کی۔ اصول الفقہ کی تدوین کی یہ پہلی کاوش ہے۔ " الرسالۃ" کی حیثیت ایک بنیاد کی سی ہے جس پر بعد والوں نے اصول الفقہ کی پوری عمارت کھڑی کی۔ شافعی اصولیین نے امام شافعی ہی کے طرز بیان کی تشریح، توضیح اور تفصیل کی اور دوسروں نے اسے کچھ اضافوں کے ساتھ اپنایا۔

---

[2]۔التنقیح مع شرح التلویح علی التوضیح: ۳۴/۱۔
Al-Tanqīḥ maʿa Sharḥ al-Talwīḥ ʿalā al-Tawḍīḥ: 1/34.

امام شافعی کے بعد اصول الفقہ پر جو کتابیں لکھی گئیں، ان کے مختلف اسالیب سے ثابت ہوتا ہے کہ طرز تالیف دو اسالیب میں تقسیم ہو گیا:

(۱) متکلمین کا طریقہ، اس کو شوافع کا طریقہ بھی کہتے ہیں جس کی حیثیت استقرائی طریق کی ہے۔

(۲) احناف کا طریقہ، اس طریق کی حیثیت استخراجی طریق کی ہے۔

شوافع نے اپنی تصنیفات میں اسی طریقہ کو اختیار کیا[3] ۔ایک تو اس وجہ سے کہ ان کے سامنے امام شافعی کے اصول موجود تھے اور انھیں بڑی حد تک اس کی ضرورت نہ تھی کہ اصول کا استخراج کریں۔ دوسرے اس وجہ سے کہ شوافع میں سے جن حضرات نے ابتداً اصول الفقہ پر کتابیں لکھیں اور جو بعد والوں کے لیے بنیاد بنی، وہ خود متکلم تھے۔

ان کے مقابلے میں احناف نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اپنے ائمہ سے منقول فروع کو پیش نظر رکھ کر ان کی مطابقت میں فقہ کے اصول مقرر کیے۔ اس لیے احناف کی کتابیں فروع فقہیہ سے معمور ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان پر کلام کے بجائے فقہ کا غلبہ تھا، دوسرے یہ کہ اپنے آئمہ سے صرف فروع منقول تھیں، انہی فروع سے انہیں اصول کا استخراج کرنا تھا۔

اس اسلوب کے تحت اصول اجتہاد فقہی بصیرت کے تابع رہے اور عملی تطبیق کے ساتھ ساتھ فقہی تقابلی مطالعہ تشکیل پایا جس سے تخریج و تفریع اور ذہنی تربیت بھی ہوتی دکھائی دی۔ متکلمین کے طرز پر متقدمین نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔

اصول الفقہ کے معنٰی و مفہوم سمجھنے اور اس کے ارتقاء کی مختصر تاریخ اور اسالیب کے جائزہ کے بعد تدوین کے معنی و مفہوم کو جاننا اور یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ تدوینِ نو اور تجدید میں کیا فرق ہے۔

دَوَّنَ يُدَوِّنُ تدوین باب تفعیل سے ہے۔ جس کا معنی قلم بند کرنا، ضبط تحریر میں لانا، محفوظ کر لینا، لکھ لینا، اندراج کرنا اور جمع کرنا کے ہیں۔ اسی سے لفظ دیوان ہے جس کی جمع دواوین آتی ہے۔ قدیم اسلامی انتظامیہ کے دوران دیوان درج ذیل معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ جبکہ تجدید بھی باب تفعیل کے وزن پر مصدر ہے، یعنی کسی چیز کو جدید

---

[3] ۔الحضری بک، محمد، اُصول التشریع الاسلامی: ص:۳۰۶، اردو ترجمہ مولانا عبدالسلام ندوی، اسلامی اکادمی ،۱۷اردو بازار، لاہور، پاکستان
Al-Khudrī Bek, Muḥammad, Uṣūl al-Tashrīʿ al-Islāmī, Urdu Tarjumah Maulānā ʿAbd al-Salām Nadwī, Islāmī Academy, 17 Urdu Bāzār, Lāhawr, Pākistān. P,306.

(نیا) بنایااور جدید وہ چیز ہے جس سے آپ کو سابقہ پیش نہ آیا ہو۔ یہ جدوجہد میں بصیرت سے عبارت ہے۔ اس کا ذکر لغت میں پانچ طریقوں پر آیا ہے۔[4]

لفظ "تجدید" کا عصری استعمال

عصر حاضر میں یہ اصطلاح بہت زیادہ رائج ہو گئی ہے۔اس کو استعمال کرنے والوں کی دو جماعتیں ہیں:

(ا) پہلی جماعت کے نزدیک اس سے مراد عصر جدید یا مغربی تہذیب کے جدید عناصر یا انسانی زندگی میں اس کے ان جدید مظاہر سے ہم آہنگ ہونا ہے جن کی یہ تہذیب حامل ہے۔ گویا ان کے نزدیک تجدید "نشاۃ ثانیہ" کا اصلی مطلب ہے وحی پر مبنی اور نقلی علوم کو بے اختیار سمجھنا اور عقلیت اور انسان پرستی اختیار کرنا، اسی سے ہی اس تحریک کا دوسرا نام انسان پرستی Humanism بھی ہے۔اس جدیدیت میں خدا پر ایمان صرف رسمی حیثیت قرار پایا، فطرت کو نیا مفہوم دیا گیا یعنی نیچر فطرت سے مراد طاقت کا حصول ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ طاقت ہے تو اخلاق کی ضرورت نہیں، قوم اور قومیت کا جدید تصور پیدا ہوا قوم اور وطن کو وہ حیثیت دی گئی جو خدا کی ہونی چاہیے۔ یورپ کے جدیدیت کے دور میں دو تحریکیں نشاۃ ثانیہ Renaissance اور اصلاح دین Reformation ساتھ ساتھ چلتی رہیں اور اس کا زمانہ 1453ء ہے۔ڈاکٹر حسن عسکری جدیدیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ساری جدیدیت اور اس سے پیدا ہونے والی تمام گمراہیوں کی جڑ اور اصل الاصول یہی انفرادیت پرستی اور اطاعت سے انکار ہے۔ یعنی جدیدیت ابلیسیت ہے۔ لوتھر کی پروٹسٹنٹ تحریک کی پشت پناہی جرمنی کے چھوٹے چھوٹے بادشاہوں نے کی۔ان میں ان کا سیاسی مفاد یہ تھا کہ روم کے کلیسا کا دینی اقتدار ختم ہو جائے تو مطلق حکمران بن جائیں۔ چنانچہ سولھویں صدی سے رومن کیتھولک کلیسا کی مرکزیت ختم ہونے لگی اور پروٹسٹنٹ ملکوں میں قومی کلیسا قائم ہونے لگے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ دین سیاست کے تابع ہو گیا۔[5]

دین میں فرد کی خود مختاری اور آزادی کا اصول قائم ہو گیا تو مغرب میں گمراہیاں بڑھتی ہی چلی گئیں اور خود رومن کیتھولک لوگ بھی ان سے متاثر ہونے لگے۔

---

[4] -راغب اصہفانی، المفردات في غريب القرآن:ایران، المكتبة المرتضويه، ۱۳۹۲ھ: ص: ۱۸۷؛ لسان العرب: ۱/ ۱۷۰۔

Rāghib al-Iṣfahānī, Al-Mufradāt fī Gharīb al-Qurʾān Īrān, Al-Maktabah al-Murtaḍawiyyah, 1392 AH: Ṣ: 187; Lisān al-ʿArab: 1/170..

[5]۔ حسن عسکری، جدیدیت، ادارہ فروغِ الاسلام لاہور، اکتوبر ۱۹۹۷ء ص ۴۶

Ḥasan ʿAskarī, Jadīdiyyat, Idārah Farog͟h-e-Islām, Lāhawr, Uktūbar 1997ʾ, p: 46.

تدوین نو کا دائرہ کار

تدوینِ نو سے پہلے اس بات کا یقین از حد ضروری ہے کہ کس شعبہ فقہ کے اصول و ضوابط کی تدوین ہونی چاہیے اس سلسلے میں پہلے فقہی شعبہ جات کا جاننا ضروری ہے فقہاء اصولین کے نزدیک فقہی موضوعات کی آٹھ قسمیں ہیں: عبادات، مناکحات، معاملات، فقہ التعامل الاجتماعی، الاحکام السلطانیہ، جنایات، ادب القاضی، فقہ السیر۔[6]

مذکورہ شعبہ جات میں غیر منصوص، قیاسی احکام جن کا تعلق نوازل و حوادث سے ہے اور جن پر شرعی حکم مرتب کرنے کی بنیاد عرف و عادت، سد ذرائع، مصالح تھی، ان حالات کے بدل جانے کی وجہ سے حکم کی تبدیلی میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تدوینِ نو کے عمل میں منصوص حتمی مسائل کو چھیڑنا در اصل تحریف و تعبیر کے زمرے میں آئے گا۔

(ب) اس کے برعکس ایک دوسری جماعت تجدید سے ایک دوسری ہی چیز مراد لیتی ہے۔ اس کے ہاں اس سے مراد اسلامی عقیدہ کی تجدید، اسلام کے سرمایہ سے از سر نو ربط و تعلق پیدا کرنا، اس کو زندہ کرنا اور اس کی حقیقی سرچشموں کی طرف ایسی واپسی کہ وہ خشک ہونے کے بعد دوبارہ ہمارے ضمیر و وجدان میں پختہ اور تر و تازہ ہو جائیں۔[7]

اصول الفقہ کی کتابوں میں جن مسائل کا ذکر ہے، ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1- ایک قسم کا تعلق عربی الفاظ کی تلاش و جستجو سے ہے جیسے خاص، عام، نص اور ظاہر اور یہ ایسے ہے جیسے نحوی کا قول کہ یہ اسم نکرہ ہے، اور یہ معرفہ ہے، یہ علم ہے اور یہ جنس ہے، فاعل پر رفع (پیش) آتا ہے اور مفعول منصوب ہوتا ہے۔ مسائل کی اس پہلی قسم اور صورت میں زیادہ اختلاف نہیں ہے۔

2- دوسری قسم کے مسائل ذہن کو ان امور کی طرف لے جاتے ہیں جنہیں عقل و دانش والا شخص اپنی صلاحیت اور سلیقہ سے انجام دے۔

---

[6] ۔غازی، ڈاکٹر محمود احمد، اسلام کا قانون بین الممالک، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد ۲۰۰۷ء

Ghāzī, Dr. Maḥmūd Aḥmad, Islām kā Qānūn Bayn al-Mamālik, Sharīʿah Academy, Islāmābād, 2007'.

[7] ۔عبد الغفار، ڈاکٹر، بدلتے حالات کے تقاضے اور فقہ اسلامی: انڈیا، نئی دہلی، ایفا پبلیکیشنز، ۲۰۱۰ء، ص: ۷۔

Abd al-Ghaffār, Dr., Badaltay Ḥālāt ke Taqāzay aur Fiqh Islāmī: Hind, Naī Dihlī, Ifā Publications, 2010', p: 7.

ایسی صورت میں دو عقل مند افراد کے درمیان اختلاف ہو سکتا ہے۔ جب کسی صاحب عقل و دانش کے سامنے دو راستے ہوں گے تو وہ اس راستے کو اختیار کرے گا جو دلائل اور مصالح کی رو سے محفوظ تر ہو گا یا کم سے کم یہ کہ اس میں دوسرے راستے کے بالمقابل خطرات کم ہوں گے۔

بالکل ایسی ہی صورت حال سے علماء سلف بھی دو چار ہوئے ہیں۔ ائمہ مجتہدین کے سامنے کتاب اللہ اور سنت کی مختلف نصوص آئیں، انہوں نے ان میں غور و خوض کیا، ان کی قوت اجتہاد نے ان کو یہ راستہ دکھایا کہ ایسی صورت میں جب کہ ایک ہی مسئلے میں ایک سے زائد احادیث ہوں وہ دلیل و برہان یا قرینے کی بنیاد پر کسی ایک حدیث کو قبول کر لیں اور باقی کو رد کر دیں یا ایک حدیث کو راجح قرار دے کر باقی احادیث کو اس راجح حدیث کے ساتھ تطبیق دے لیں۔ اسی طرح ان کے سامنے بعض ایسے مسائل آئے جو سلف کے سامنے نہیں آئے تھے۔ یا ان مسائل کا ظہور تو ہو چکا تھا مگر سلف نے ان کے بارے میں نہ گفتگو کی تھی اور نہ کوئی اجتہادی فیصلہ کیا تھا۔ ایسے مسائل کے بارے میں متاخرین علماء نے یہ طریقہ اپنایا کہ ان جیسے دوسرے مسائل میں غور و فکر کیا اور دیکھا کہ سلف نے ان کا کیا حکم تلاش کیا ہے، سبب اور علت کا اشتراک ڈھونڈا، اگر سبب اور علت میں اشتراک یا یکسانیت پائی گئی تو وہی حکم پیش آمدہ مسئلے سے معین کر دیا جو اس کے مشابہ پہلے سے موجود کسی مسئلے کا تھا۔

خلاصہ یہ کہ ائمہ مجتہدین میں جو فطری صلاحیتیں تھیں ان کی بدولت وہ ابلاغ و تفہیم کے لیے ایسی تدابیر وضع کرنے پر قادر ہو گئے تھے جیسے ایک انتہائی زیرک و دانا اپنی عقل و دانش کی مدد سے کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آنے کی صورت میں اس کے حل کے لیے اختیار کرتا ہے۔ اس تناظر میں اہل علم و دانش کی ایک جماعت نے ارادہ کیا کہ سلف کی ان تدابیر و طرق کو زیادہ وضاحت سے بیان کیا جائے جو انہوں نے اپنی کتابوں میں ذکر کی ہیں یا جن کی طرف انہوں نے اپنی تحریروں میں اشارہ کیا ہے یا جو ان سے منقول بعض مسائل سے اخذ کی گئی ہیں، اگرچہ اپنی کتابوں میں انہوں نے ان کا تفصیل کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔

حلِ مسائل کے لیے سلف نے جو تدابیر اختیار کی تھیں، بعد میں آنے والے اہل علم نے انہیں قبول کر لیا اور کسی نئی کاوش و کوشش کی راہ ترک کر دی۔ اس کی بنیادی وجہ بظاہر یہ تھی کہ وہ تدابیر اور طریقے ان میں موجود فطری صلاحیت اور سلیقے سے پوری مطابقت رکھتے تھے۔ بعد والے اہل علم کی طرف سے سلف کے طریقہ و نہج کو کلی طور پر قبول کر لینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے بعد جو فقہاء آئے انہوں نے انہی تدابیر و طریق کو مسلمہ اصول کا درجہ دے دیا۔

فقہ کے ارتقائی مراحل میں مجادلانہ و مناظرانہ کردار ہمیشہ سے جاری رہا ہے لیکن دورِ حاضر میں اس میں منافرانہ جذبات در آئے ہیں اور فقہ کے تمام اختلافات خواہ وہ قانونی اعتبار سے کسی بھی درجے کے ہوں حق و باطل کا معیار بن گئے ہیں جس کی وجہ سے نوجوان نسل میں تشکیک پیدا ہو گئی ہے جو جامع اور آفاقی فقہ کی متقاضی ہے اور یہ عمل اس وقت تک ناممکن ہے جب تک فقہ کی پشت پر کھڑے اصول و قوانین اور استنباط واستخراج کے طرق کی جامع طریقے پر تدوینِ نو نہ کی جائے۔ یہی وہ ضرورت و حاجت ہے جس کی بنیاد پر تدوینِ نو کے عمل کا جواز فقہاء اصولیین نے قواعدِ فقہیہ میں معروف ترین اور بنیادی قاعدے الضرورات تبیح المحظورات[8] ''ضرورت وحاجت ممنوع کو بھی حلال کر دیتی ہے'' سے جواز فراہم کیا ہے۔

قرونِ اولیٰ میں ارتقائی تدوین کی نوعیت:

سابقہ ادوار میں جو تدوین ہوئی اس کا ایک مثبت پہلو اس کو اس زمانے کے احوال وآثار کے مطابق بنانا ہے۔ جس میں امام شافعی کی الرسالۃ سے اس فن کا آغاز ہوتا ہے بعد میں آنے والے اصولیین نے اصول الفقہ کی فطرتی ترتیب، نظم وضبط کا خیال رکھا، ساتویں صدی میں جامعیت اختیار کی اور آگے چل کر مقاصد شریعت سے ہم آہنگ کر دیا۔

تاریخِ اسلامی کے مختلف ادوار میں علم اصول الفقہ کے لیے تجدیدی کاوشیں اپنے اپنے وقت کے اساطین علم فرماتے رہے اور وہ اساطین تجدید مندرجہ ذیل ہیں: دوسری صدی ہجری میں امام شافعیؒ، پانچویں صدی ہجری میں امام الحرمین جوینیؒ اور امام غزالیؒ، ساتویں صدی ہجری میں امام عزالدینؒ اور علامہ قرافیؒ، آٹھویں صدی ہجری میں صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعودؒ، امام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیم جوزیہؒ، امام شاطبیؒ، امام شافعیؒ نے فن کی تاسیس، تدوین اور ترتیب اول فرمائی۔ امام جوینیؒ و غزالیؒ کے ہاتھوں فن کی مزید ترتیب و تنسیق، مفاہیم اصولیہ کی نظری بنیادوں کی توسیع ہوئی، مصطلحات کو ضبط کیا گیا، فن منظم ہوا، نظریہ مقاصد کی داغ بیل ڈلی۔ عزالدین بن عبدالسلامؒ نے فن کے ایک ہی باب، باب المصالح کو منتخب فرمایا۔ اس باب میں فن کو ترقی سے روشناس کروایا۔ ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، شاطبیؒ نے نئے اصولی قضایا وضع فرمائے۔ باب المقاصد کو نکھار کے بام عروج پر پہنچایا۔ فرق بس اتنا تھا کہ باب المقاصد میں شاطبیؒ کی تجدیدی کاوش تنظیری اساس کی چھاپ لیے ہوئے ہے، جبکہ ابن تیمیہؒ اور ان کے تلمیذ رشید ابن قیمؒ کی تجدیدی کاوش

---

[8]۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، قواعد وکلیات کا آغاز وارتقاء، ص ۱۲، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

Ghāzī, Dr. Maḥmūd Aḥmad, Qawāʿid wa Kulliyyāt kā Āghāz wa Irtiqā, p: 12, Idārah Taḥqīqāt Islāmī, Intarnashnal Islāmī University, Islāmābād.

مقاصد کی عملی تطبیق کا مظہر ہے۔ امام عزؒ سے لیکر امام ولی اللہ دہلویؒ تک فن کی تجدید میں مقاصد و مصالح کو سب سے زیادہ توجہ حاصل رہی، حتی کہ اسے باقاعدہ ایک مستقل علم کی شکل حاصل ہوئی۔[9]

دورِ حاضر کے تقاضے، تدوینِ نو کے دائرہ کار کی تعیین اور حدود و قیود میں مختلف نقطہ ہائے نظر

اصول الفقہ کی تدوینِ نو کا ضروری تقاضا اصول کی کتب کے طرزِ تحریر کا مشکل ہونا ہے، ابتدائی قرون کی کتابیں بہت قیمتی ہونے کے باوجود موجودہ دور کی تحریر کی طرز سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ اس لیے ضروری ہے تدوینِ نو کے عمل میں آسان تحریر کا اسلوب اپنایا جائے۔ تعبیر و اصلاح کی جائے یعنی اصولی، فقہی اور قانونی اصطلحات کو دورِ حاضر کے ذہنوں سے ہم آہنگ کیا جانا چاہئے۔

اندازِ تعلیم و تعلم اور نصابی مشکلات جو فلسفہ و کلام کی طرف زیادہ رجحان رکھتی ہیں ان کی اصلاح اور افتاء کا شعبہ جو مناظرہ اور مباحثہ کی طرز اختیار کر چکا ہے یہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے سے عاجز ہے اس کا دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ہونا از حد ضروری ہے۔ لیکن اس سارے عمل میں اسلاف کی محنتوں اور اخلاص پر بھروسہ اور بطور مصدر و ماخذ ان سے استنباط و استخراج شرطِ اول ہونی چاہئے۔

وہ لوگ جو تدوینِ نو کے پرجوش حامی ہیں اور اس کے داعی نظر آتے ہیں ان میں ایک نام علامہ اسد[10] کا ہے۔ اسلام کے حقیقی و اصلی ماخذ قرآن و سنت کے نصوص و احکام پر از سرِ نو غور و فکر کر کے اور اجتہاد سے کام لیکر ایک نئی فقہ

9۔ اصول الفقہ کی تجدید اور اس کا تاریخی ارتقاء: تجزیاتی مطالعہ، مجلہ تناظر، مقالہ نگار محمد ہارون علوی، دسمبر 2022ء
Uṣūl al-Fiqh kī Tajdīd aur Is kā Tārikī Irtiqā: Tajzīātī Mutālaʿah, Majallā Tanāzur, Maqālah Niggār Muḥammad Ḥārūn ʿAlwī, Dismbar 2022ʾ.

10۔ عصر جدید میں جن مغربیوں نے اسلام قبول کیا ہے' ان میں آسٹروی نو مسلم محمد اسد اپنے خاندانی و مذہبی پس منظر پر اسلام کے ماخذ اساسی، قرآن و سنت اور اس کے اصول و تعلیمات سے گہری واقفیت، جدید دنیائے اسلام کو درپیش مسائل و تحدیات کے تحلیل و تجزیہ، احیائے اسلام کیلئے علمی و فکری اور عملی کاوشوں کے اعتبار سے ایک نہایت منفرد مقام رکھتے ہیں۔ محمد اسد کو جو شہرت ملی وہ شاید کسی اور نو مسلم کو ملی ہو۔ سید مودودی لکھتے ہیں "دور جدید میں اسلام کو جتنے غنائم یورپ سے ملے ہیں ان میں اسد سب سے قیمتی ہیرا ہے... ان کی کتاب Islam at the crossroads دیکھ کر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ نو مسلم تو در کنار جو لوگ پشتینی مسلمان ہیں ان میں بھی بہت کم ایسے ہوں گے جو اسلام کو اتنا صحیح سمجھتے ہوں اور جنہوں نے اسلام کی روح کو اتنی اچھی طرح جذب کیا ہو۔
سید ابوالاعلیٰ مودودی "انگریزی ترجمہ صحیح بخاری مع شرح از جناب محمد اسد صاحب' ترجمان القرآن: ۴ : ۱۰ (ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ) ص: ۷۵۔

تشکیل دی جائے لیکن محمد اسد کا قدیم فقہ کے بارے میں موقف قدرے سخت نظر آتا ہے وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا قدیم فقہی سرمایہ یعنی ائمہ مجتہدین اور فقہا و قضاۃ کے اجتہادات واستنباطات اور ان کی فقہی و قانونی تعبیرات کا زیادہ تر حصہ فرسودہ اور ناکارہ ہو چکا ہے۔ قدیم فقہ قرآن و سنت کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی نہیں کرتی۔ گزشتہ ادوار کے فقہاء کے اجتہادات واستنباطات جو زیادہ تر قیاس واستدلال اور استخراجی منطق کا نتیجہ تھے جدید دور میں قابل عمل نہیں رہے۔ وہ تعبیرات محض تعداد میں ہی زیادہ نہیں بلکہ حد درجہ پیچیدہ بھی ہیں اور اکثر نہایت اہم قانونی مسائل میں باہم دگر متناقض ہیں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

The Islamic shariah as presented by them [later Muslim legists (Fuqaha) is only partially derived from injunctions given in unequivocal terms (Nass) by the Quran or the Prophet; to a certain extent it is built on deductions, from both, by the early scholars. [11]

محمد اسد کے اس نقطہ نظر کے برعکس عصر جدید میں قانون اسلامی کی تدوینِ نو کے کام میں عملاً مشغول صاحب نظر فقہاء کی رائے میں مسلمانوں کے قدیم فقہی ذخیرہ میں اتنی صلاحیت موجود ہے کہ وہ مسلمانوں کی تاریخ کے ہر عہد میں اجتہاد و قانون سازی نیز قانون کی تدوین جدید کے لیے ٹھوس اور مستحکم بنیاد بننے کے علاوہ اس کے لیے بیش قدر لوازمہ فراہم کر سکے۔ مشہور شامی فقیہ شیخ مصطفیٰ احمد زرقاء (م1997ء) جنہیں بجا طور پر فقیہ امت کہا گیا ہے اور جنہوں نے قانون اسلامی کی تدوین جدید کے سلسلے میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں، کی اس قدیم فقہی ذخیرہ کے متعلق رائے یہ ہے کہ "اسلامی فقہ قانون کا وہ عظیم سرمایہ اور انسانی ذہانت و محنت کا وہ عجیب و غریب نمونہ ہے جس کی نظیر دنیا کے قانونی ذخیروں میں ملنی مشکل ہے۔[12]

محمد اسد کے دینی تفکر کی تشکیل میں مختلف و متنوع عوامل کار فرما نظر آتے ہیں' وہ علمائے متقدمین میں سے امام ابن حزم کے علاوہ امام ابن تیمیہ اور ان کے تلمیذ رشید ابن قیم الجوزیہ، مفتی عبدہ، علامہ محمد رشید رضا مصری سے متاثر نظر آتے ہیں اور محمد اسد امام ابن حزم کو اپنا "امام اعظم" قرار دیتے ہیں۔ محمد اسد نے مولانا غلام رسول مہر کے نام ایک خط (محررہ ۲۸ مئی ۱۹۴٦ء از ڈلہوزی) میں امام ابن حزم کو اپنا امام اعظم قرار دیا ہے۔

[11].Asad, Muḥammad. Towards a Resurrection of Thought; Sang-e-Meel Publications, 2006, p.13.

[12]۔الزرقاء، شیخ مصطفیٰ احمد، الدکتور، المدخل الفقہی العام: مقدمہ، السوریۃ، دمشق، دارالفکر، ۱۹٦۷ء، ۱/ ۹-۳۔

Al-Zarqā', Shaykh Muṣṭafá Aḥmad, al-Duktur, al-Madkhal al-Fiqhī al-ʿĀm: Muqaddimah, al-Sūriyyah, Dimashq, Dār al-Fikr, 1967', 1/9-3.

مولانا محمد تقی امینی کے بقول، " اس سے زیادہ محرومی اور بے بصری کیا ہو گی کہ فقہ اسلامی کے اس بیش قدر خزانہ سے، جو مرتب و مدوّن شکل میں موجود و محفوظ ہے، فائدہ اٹھانے کو ہم جرم سمجھیں یا خود فریبی میں مبتلا ہو کر اس کی اہمیت محسوس نہ کریں۔"[13]

اصول فقہ کی تدوین نو کے اصول واسالیب

اصول فقہ کے اہم اصول واسالیب جن کی بناء پر اصول فقہ کی تدوین نو کی جاسکتی ہے وہ حسب ذیل ہیں:

1۔ اصول تلفیق

قانون اسلامی کی تدوینِ نو سے متعلق محمد اسد کی یہ رائے بھی موزوں اور قابل عمل معلوم نہیں ہوتی کہ اس باب میں نہ تو کسی معین فقہی مذہب کا الزام کیا جائے اور نہ ہی اختیار و تلفیق یعنی فقہی مذاہب سے اخذ واستفادہ کے اصول کو اختیار کیا جائے، بلکہ ان تمام فقہی مذاہب کے ائمہ وفقہاء کے اجتہادات وآراء اور ان کے مستنبط مسائل کو ایک طرف رکھتے ہوئے یہ کام مکمل طور پر اجتہاد نو کے ذریعے انجام دیا جائے، مطلب یہ ہے کہ بالکل از سر نو توسیعی و اضافی قوانین وضع کیے جائیں۔

محمد اسد کی اس تجویز پر عمل پیرا ہو کر قانون سازی کا عمل بے حد دشوار ہی نہیں بلکہ یہ فکری انتشار و بد نظمی کو بھی جنم دے گا، کیوں کہ اس تجویز پر عمل کا مطلب سابقہ فقہی ذخیرہ پر مکمل عدم اعتماد اور سابق فقہی مذاہب کے مقابلے میں ایک نئی راہ نکالنے کے مترادف ہے۔ تمام فقہی مذاہب سے قطع نظر کر کے قرآن و سنت سے براہ راست قوانین مستنبط کر کے انہیں مدون کرنے کی راہ میں بہت سی مشکلات ہوں گی۔ جن میں سر فہرست یہ بات ہے کہ نئے اصول و قوانین اور ان سے استنباطِ مسائل کے سلسلے میں کیا گارنٹی ہے کہ نئے اختلافات سامنے نہیں آئیں گے بلکہ اختلافات مزید بڑھیں گے۔ اس خدشے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ اکثر معاملات میں اختلافات ہے ہی نہیں اور جہاں اختلاف ہے وہاں اختلاف کی نوعیت اصول کی بجائے فروعی ہے اور فروعی میں بھی عمومی طور پر حلت وحرمت کی بنیاد پر اختلاف نہیں ہے بلکہ استحبابی درجے کا اختلاف ہے۔

---

[13]۔ امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر: ص:۲۸، ناشر: ندوۃ المصنفین، دہلی۔

Amīnī, Muḥammad Taqī, Fiqh Islāmī kā Tārikī Pas Manẓar: Ṣ: 28, Nāshir: Nadwat al-Muṣannifīn, Dehlī.

سابقہ فقہی ذخیرے کو بالکل ترک کر کے کسی نئی فقہی عمارت کی بنیاد رکھنا کتنا مشکل امر ہے اس کا اندازہ مولانا تقی عثمانی کے ان الفاظ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

"ماضی کے فقہی ذخیرے سے بے نیاز ہو کر از سر نو الف باء سے اجتہاد کا یہ تصور بڑا فتنہ انگیز ہے کہ تمام فقہی ذخیروں کو نظر انداز کر کے پھر آج از سر نو ان مسائل کو اٹھایا جائے اور از سر نو ایک فقہ تیار کی جائے"[14]

بنابریں قانون اسلامی کی تدوینِ نو کے قابل عمل طریق دو ہی ہو سکتے ہیں:

کسی معین فقہی مذہب کا التزام کیا جائے یعنی کسی ایک فقہی مذہب کو اساس بنایا جائے اور حسب ضرورت و مصلحت دوسرے ائمہ مجتہدین کے فقہی مذاہب سے اخذ واستفادہ کیا جائے تاکہ قانون سازی وتدوینِ نو میں جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت اور عدمِ حرج و قلتِ تکلیف کے تقاضے بطریق احسن پورے ہو سکیں۔

بر عظیم پاک و ہند کے علماء کی اکثریت اجتہاد و قانون سازی کے سلسلہ میں اسی طریقے کو اختیار کرنے کے حق میں ہے۔ ان کے نزدیک اس مسئلے کا صحیح حل یہی ہے کہ اصولی طور پر کسی ایک فقہی مذہب کو بنیاد بنایا جائے لیکن جہاں مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت کے پیش نظر اس فقہی مذہب میں کوئی ناقابل برداشت تنگی محسوس ہو وہاں ائمہ مجتہدین کے فقہی مذہب میں سے جس کسی مذہب میں وسعت ہو اور جو اس ضرورت کو پورا کر سکے اس کو اختیار کیا جائے۔

ان کے نزدیک آسان اور قابل عمل صورت یہی ہے کہ ہر اسلامی ملک میں بنیادی طور پر اس فقہی مذہب کو اختیار کیا جائے جس کے جاننے اور ماننے والوں کی اس ملک میں اکثریت ہو۔[15]

2۔ اصول مصلحت:

قانون اسلامی کی تدوینِ نو کا دوسرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ تمام مذاہب کے فقہی سرمایہ کو امت کا مشترکہ فقہی سرمایہ وورثہ قرار دیا جائے اور تدوینِ نو کے عمل میں ہر ہر قانونی مسئلہ میں اس فقہی مذہب (امام مجتہد) کی رائے کو اختیار کر لیا جائے جو:

---

[14]۔ محمد تقی عثمانی، اسلام اور جدت پسندی: فصل "اجتہاد"، کراچی، مکتبہ دار العلوم، ۱۹۹۹ء، ص: ۹۳۔

Muḥammad Taqī ʿUthmānī, Islām aur Jiddat Pasandī: Fasl "Ijtihād", Karāchī, Maktabah Dār al-ʿUlūm, 1999ʾ, p: 93.

[15]۔ عثمانی، محمد تقی، نفاذ شریعت اور اس کے مسائل: ص: ۶۸، مکتبہ دار العلوم، کراچی

ʿUthmānī, Muḥammad Taqī, Nafāẓ-e-Sharīʿah aur Is ke Masāʾil: p: 68, Maktabah Dār al-ʿUlūm, Karāchī.

أقرب إلى الكتاب و السنة و أوفق لمصلحة الناس

"یعنی جو آج کل کی مصلحت کے زیادہ قریب ہے اور دلائل کے اعتبار سے قران و سنت سے زیادہ قریب ہے۔"

جیسے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی(۱۸۲۹ - ۱۹۰۵ء)، مولانا محمد اشرف علی تھانوی(۱۸۶۳ - ۱۹۴۳ء)اور ان کے متبعین یہی موقف رکھتے ہیں۔[16]

مولانا محمد اشرف علی تھانوی نے ایک ایسی عورت کہ جس کا شوہر مفقود الخبر و مستور الحال ہو اس کو عقدِ ثانی کے لیے کتنی مدت تک انتظار کرنا چاہیے، کے بارے میں احناف کی معروف رائے (غیر معینہ مدت) کے مقابلے میں مالکیہ کی چار سال کی رائے کو ترجیح دی ہے۔[17]

امام بخاری، سعید بن مسیب کا قول ذکر کرتے ہیں کہ جب جہاد کی صف بندی کے دوران آدمی گم ہو جائے تو اس کی عورت ایک سال انتظار کرے گی۔[18] عصر حاضر میں ایک سال کی مدت زیادہ قرین قیاس ہے کہ جدید میڈیا میں گم شدہ یا مردہ یا جیل میں موجود افراد کی خبریں بہت جلد میڈیا پہ آجاتی ہیں۔

مولانا محمد تقی امینی جو فقہ اسلامی کی تدوین جدید کے پر جوش داعی و حامی ہیں، کی رائے میں بھی اسلامی قانون کی تدوین جدید کی "موزوں صورت یہی معلوم ہوتی ہے کہ جس ملک میں جو فقہ رائج ہو اسی کو سامنے رکھ کر تدوینِ نو کا کام کیا جائے البتہ جن مسائل میں حالات و تقاضا کے مطابق تبدیلی کرنا پڑے یا نئے مسائل حل کرنے کی صورت ہو

---

[16] ۔ عثمانی، محمد تقی، نفاذ شریعت اور اس کے مسائل: ص:۶۷،۶۸، حافظ محمد سعد اللہ، معین فقہی مذہب کا التزام۔ تحقیقی جائزہ: فکر و نظر، اسلام آباد، ۴۲:۱(جولائی۔ ستمبر ۲۰۰۴ء)، ص:۲۸-۳۲۔

ʿUthmānī, Muḥammad Taqī, Nafāẓ-e-Sharīʿah aur Is ke Masāʾil: Ṣ: 67, 68, Ḥāfiẓ Muḥammad Saʿad Allāh, Muʿīn Fiqhī Mazhab kā Iltizām. Tḥaqīqī Jāʾizah: Fikr wa Nazar, Islāmābād, 1:42 (July-September 2004), p: 28-32.

[17] ۔ تھانوی، محمد اشرف علی، مولانا، احکام طلاق و نظامِ شرعی عدالت یعنی الحیلۃ الناجزۃ جدید: مرتبہ: مولانا خورشید حسن قاسمی، پاکستان، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۱۹۹۶ء۔

Thānawī, Muḥammad Ashraf ʿAlī, Maulānā, Aḥkām-i-Ṭalāq wa Niẓām-i-Sharʿī ʿAdālat yānī al-Ḥīlah al-Nājizah Jadīd: Murattabah: Maulānā Khurshīd Ḥasan Qāsmī, Pākistān, Lāhawr, Al-Faisal Nāshirān wa Tājarān-i-Kutub, 1996ʾ.

[18] ۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، باب حکم المفقود فی اھلہ ومالہ، رقم الحدیث ۵۲۹۱،

Bukhārī, Muḥammad bin Ismāʿīl, Al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, Kitāb al-Ṭalāq, Bāb Ḥukm al-Mafqūd fī Ahlah wa Mālih, Riqm al-Ḥadīth 5291.

تو ایسے مواقع میں دوسری فقہ نیز اختلاف فقہاء سے ضرور مدد لی جائے کہ اس کے بغیر اس کام کی کوئی اور شکل ہی نہیں ہے۔"[19]

دور حاضر کو بلاشبہ فقہ اسلامی کی تدوینِ نو کا دور کہا جاسکتا ہے۔ اس دور میں فقہ اسلامی کے مختلف شعبوں میں نئے انداز سے کام ہوا ہے۔ گذشتہ چند دہائیوں سے عالم اسلام کے مختلف گوشوں خصوصاً مصر، شام، عراق اور بعض دوسرے عرب واسلامی ممالک میں فقہ اسلامی کی تدوینِ نو کی جو اہم اور مؤثر کوششیں ہوئی ہیں [20] اور ہو رہی ہیں، ان میں کسی ایک معین فقہی مذہب کے التزام کے بجائے مذاہب اربعہ کے علاوہ ظاہری اور زیدی اور دیگر سب مذاہب سے اخذ واستفادے کا رجحان سامنے آیا ہے۔[21]

وہ علماء وفقہاء جنہوں نے عملاً اجتہاد اور قانون اسلامی کی تدوینِ نو کا قابل قدر کام سرانجام دیا ہے وہ اسی طریقے پر کار بند نظر آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اخوان المسلمون کے قائد عبدالقادر عودہ شہید (م: ۱۹۵۴ء)، مصطفیٰ احمد الزرقاء (م: ۱۹۹۹ء)، محمد حمید اللہ (م: ۲۰۰۲ء)، وھبہ الزحیلی (ولادت ۱۹۳۲ء) اور علامہ یوسف القرضاوی کے نام بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) جن کو امت نے عام طور پر سندِ قبول عطا کی اور جن کے متعلق اہلِ حق واہلِ علم کے درمیان شروع سے یہ اصولی طور پر تسلیم کیا جاتا رہا ہے کہ حق ان میں دائر ہے، ان کے بانی اور مؤسس ائمۃ الہدیٰ اور امت کے پیشوا تھے اور یہ مذاہب حقانی ہیں۔[22] ائمہ اربعہ کی تقلید کے حوالے سے شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

---

[19]۔ امینی، محمد تقی، مولانا، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر: ص: ۲۶۔ امینی، محمد تقی، مولانا، اسلام اور جدید دور کے مسائل: ص: ۵۹۔
Amīnī, Muḥammad Taqī, Maulānā, Fiqh-e-Islāmī kā Tārīkhī Pas-e-Manẓar: p. 26.
Amīnī, Muḥammad Taqī, Maulānā, Islām aur Jadīd Daur ke Masāʾil: p. 59.

[20]۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، اسلام کا قانون بین الممالک: ص: ۱۴۱ - ۱۴۵؛ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات فقہ: لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۰۵ء، ص: ۵۲۹ - ۵۳۲۔
Ghāzī, Maḥmūd Aḥmad, Dākṭar, Islām kā Qānūn Bain al-Mamālik: p. 141–145.
Ghāzī, Maḥmūd Aḥmad, Dākṭar, Muḥāḍarāt Fiqh: Lāhaur, Al-Faiṣal Nāshrān wa Tājirān-e-Kutub, 2005ʾ, p. 529–532..

[21]۔ المدخل الفقہی العام: ۱ / ۲۰۶۔
Al-Madkhal al-Fiqhī al-ʿĀmm: 1/206.

[22]۔ ندوی، سید ابوالحسن، تاریخ دعوت وعزیمت: ۵ / ۱۹۷، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی

واستفدت منه صلى الله عليه وسلم ثلثة أمور خلاف ماكان عندى وما كانت طبيعتى تميل إليه أشد ميل فصارت هٰذهِ الاستفادات من براهين الحق تعالىٰ... ثانيها الوصات بالتقيد بهٰذه المذاہب الأربعة لاأخرج منها، والتوفيق مااستطعت، وجبلتى تأبى التقليد وتأنف منه راساً، ولكن شى طلب منى التعبد به بخلاف نفسى۔[23]

"مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ایسی باتیں معلوم ہوئیں جن کے بارے میں میرا خیال پہلے ان کے برخلاف تھا... (ان میں سے) دوسری بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ ان مذاہب اربعہ کی تقلید کروں اور ان سے تجاوز نہ کروں، اور حتی المقدور ان کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کروں، میری طبیعت تقلید سے ابا کرتی ہے، اور اس سے بالکلیہ نفرت کرتی ہے لیکن اپنے طبعی رجحان کے برخلاف مجھے ان مسالک کی تقلید کا حکم دیا گیا ہے۔"

شاہ (ولی اللہ محدث دہلوی) صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غالی فقہاء اور فرقہ ظاہریہ (جو مطلقاً فقہ کا منکر اور ان فقہاء کی شان میں لب کشائی کرتا ہے جو حاملین علم کے سرتاج اور اہل دین کے امام و پیشوا ہیں) کی روش پر سخت تنقید کی ہے اور دونوں کے غلو وانتہا پسندی کو ناپسند کیا ہے اور لکھا ہے کہ "ان الحق امر بين بين" معاملہ بین بین ہے، نہ پہلا فریق سو فیصدی حق پر ہے نہ دوسرا فریق۔

3۔اصول عرف وعادت

اسلامی فقہ و قانون کی تدوین اور تبویب میں عرف و عادت ایک بنیادی فطری اصول کے طور پر مد نظر رہا ہے۔ لیکن عرف وعادت کا بطور ماخذ تسلیم کیا جانا اس اصول سے مشروط ہے کہ وہ معاملہ جس میں عرف وعادت کے مطابق فیصلہ کیا جارہا ہے وہ کسی شرعی نص یا قطعی الاصل حکم کے متعارض نہ ہو کیوں کہ شرعی نصوص کا مرتبہ عرف و عادت سے زیادہ ہے اور شرعی نصوص عرف وعادت کے لیے بذات خود ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

Nadwī, Sayyid Abū al-Ḥasan, Tārīkh-e-Daʿwat wa ʿAzīmat: 5/197, Majlis Nashriyāt-e-Islām, Karāchī.

[23]۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث، فیوض الحرمین: انڈیا، دہلی، مطبع احمد، ص: ۶۴۔

Dehlvī, Shāh Walīullāh Muḥaddith, Fuyūḍ al-Ḥaramayn: India, Dihlī, Maṭbaʿ Aḥmad, p. 64.

لَااِعْتِبَارَ لِلْعُرْفِ الْمُخَالِفِ لِلنَّصِّ لِاَنَّ الْعُرْفَ قَدْیَکُوْنُ عَلٰی بَاطِلٍ خِلَافَ النَّصِّ۔[24]

یعنی ایسے عرف کا کوئی اعتبار نہیں ہو جو نص کے مخالف ہو کیوں کہ جو عرف خلاف نص ہو وہ باطل پر مبنی ہوتا ہے۔

اصولین نے عرف کی وضاحت اور حدود و قیود میں اس بات کو واضح کیا ہے کہ معاملات میں عرف وہ ہی مفید ہو گا جس کے لوگ عادی ہو چکے ہوں اور معاملات کا دار و مدار انہی پر ہو۔ خصوصاً زوجین کے حقوق کا اعتبار عرف کے مطابق ہو گا اور یہ وہ عادت ہے جو اس علاقے اور اس وقت رائج ہو اس میں وقت، جگہ، احوال واشخاص اور عادت وغیرہ کے اختلاف کے ساتھ ہو جائے گا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نان ونفقہ رہائش ومعاشرت حتیٰ کہ وطی وغیرہ کے تمام معاملات عرف پر مبنی ہوں گے۔[25]

عرف کی قرآنِ مجید کی روشنی میں اہمیت کے حوالے سے تین آیات درج ذیل ہیں:

خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ [26]

"آپ در گزر کا رویّہ اپنائیں اور نیکی کا حکم دیں ۔"

وَ لَہُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْہِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ [27]

"اور اُن کے بھی حقوق (مردوں پر) ہیں جیسے اُن پر (مردوں کے) حقوق ہیں۔"

وَ عَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ [28] "اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا برتاؤ کرو۔"

---

[24]۔ شامی، سید محمد امین، شرح عقود رسم المفتی، ص، ۷۰، مکتبہ البشری، کراچی، پاکستان

Shāmī, Sayyid Muḥammad Amīn, Sharḥ ʿUqūd Rasam al-Muftī, p 70, Maktaba al-Bushrā, Karāchī, Pākistān.

[25]۔ عرف و عادت بطور ماخذ قانون فقہ اور وضعی قوانین کا تقابلی مطالعہ، الوفاق، شعبہ علوم اسلامیہ، وفاقی اردو یونیورسٹی برائے فنون سائنس وٹیکنالوجی، اسلام آباد، جولائی تا دسمبر 2021ء، ص۱۷۶

ʿUrf wa ʿĀdat baṭor Mākhaẕ Qānūn Fiqh aur Waẓʿī Qawānīn kā Taqābulī Muṭālaʿa, Al-Wifāq, Shuʿba ʿUlūm-e-Islāmiyya, Wafāqī Urdū University barāʾe Funūn, Science wa Technology, Islāmābād, July–December 2021ʾ, p. 176.

[26] ۔القرآن، سورۃ الاعراف، ۷: ۱۹۹

Al-Qurʾān, Sūrat al-Aʿrāf, 7:199.

[27]۔القرآن ، سورۃ البقرہ ، ۲: ۲۲۸

Al-Qurʾān, Sūrat al-Baqarah, 2:228.

[28]۔القرآن، سورۃ النساء ، ۴: ۱۹

Al-Qurʾān, Sūrat al-Nisāʾ, 4:19.

وہ اجتہادی احکام جن میں ائمہ فقہاء نے رجوع کیا وہ حالات کے ناگزیر ہونے کی بنا پر تھا جو اس بات کا بین ثبوت ہے، کہ ہر دور کے حالات واقعات کے مطابق اجتہاد کیا جاسکتا ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ انسان کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ چناں چہ سائنس دانوں نے زمین و آسمان، خلا نیز اجرام فلکیہ کے متعلق جو رائے اب سے چند سال پہلے ظاہر کی تھی وہ اب نہیں ہے۔ اسی طرح مسند افتاء پر کام کرنے والوں کے متعلق عوارضات پیش آتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے انہیں اپنی آراٗ اور فتاوی کو بدلنا پڑتا ہے۔ چناں چہ آپ دیکھیں گے کہ اب سے چند سال پیشتر فرنگیوں کے ابتدائے دور حکومت میں ان کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے انگریزی تعلیم حاصل کرنا علماء کے نزدیک حرام تھا لیکن بعد میں جائز قرار دے دیا گیا ایسے ہی تحریک ِ آزادی اور ترکِ موالات کے ایام میں سرکاری ملازمتوں کو حرام قرار دیدیا گیا تھا لیکن بعد میں اس سے رجوع کر لیا گیا۔ ایسے ہی شاہی دورِ حکومت میں اردو میں قرآنِ پاک کا ترجمہ کرنا جائز نہیں تھا لیکن بعد میں اس سے رجوع کر لیا گیا۔ ایسے ہی پہلے لاؤوڈا سپیکر پر اذان، نماز وغیرہ پڑھنا جائز نہیں تھا لیکن بعد میں اس سے رجوع کر لیا۔ پہلے ریڈیو کی خبر پر رویت ہلال تسلیم نہیں کی جاتی تھی مگر اب تسلیم کرنے لگے ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ آئندہ کیا کیا تبدیلیاں ہوں۔

ان تمام چیزوں کا پس منظر اگر ملاحظہ فرمایا جائے تو چند چیزیں سامنے آئیں گی:

(۱) بدلتے ہوئے حالات **(۲)** بدلتے ہوئے عادات (عرف) **(۳)** معلومات میں اضافہ **(۵)** ضروریات انسانیہ و حوائج اور عموم بلویٰ وغیرہ۔ ان ہی چیزوں سے امام صاحب کو بھی واسطہ پڑا۔ پھر تدوین فقہ کا کام ایک دن کا تو تھا نہیں کہ جس کا نزول یکبارگی ہو جاتا بلکہ برسوں جاری رہا اور اسی کام کے ساتھ ساتھ تتبع و تلاش اور جد وجہد کی وجہ سے معلوماتِ روایات و اصول شرعیہ میں بھی اضافہ ہوا اور اسی کے ساتھ ساتھ حالات اور عادات انسانیہ میں بھی تبدیلی ہوئی جس کی وجہ سے امام صاحب سے مختلف مسائل میں متعدد اقوال مروی ہیں اور امام شافعی رحمۃاللہ علیہ کا تو یہ عالم ہے کہ ان کا پورا فقہی ذخیرہ دو اقوال (قولِ جدید اور قولِ قدیم) سے بھرا پڑا ہے۔ اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔

فقہ اسلامی کی تاریخ میں بیسویں صدی اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ اس کی آخری دو تین دہائیوں میں عالم اسلام میں پیش آمدہ نئے مسائل پر غور و فکر اور ان کا شرعی حل دریافت کرنے کی ایک منظم اور اجتماعی تحریک کا آغاز ہوا۔ جسے اجتماعی اجتہاد اور اداراتی اجتہاد سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ محمد طاہر منصوری کے مطابق اجتماعی اجتہاد،

علماء مجتہدین کا باہمی مشاورت اور اجتماعی غور وخوض کے ذریعے غیر منصوص مسائل کا شرعی حل تلاش کرنا اور غالب اکثریت کے ذریعے کسی نتیجے تک پہنچنا ہے۔[29]

4۔اصولِ مقاصد

اصول مقاصد کو اصول فقہ میں متاخرین فقہاء نے موضوع بحث بنایا۔ شریعت اسلامیہ میں مقاصد کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور شریعت کے احکامات دین، جان، مال، عزت اور عقل کے تحفظ کو یقینی بناتے ہیں۔ اجتماعی اجتہاد میں حاصل ہونے والا اتفاق رائے اجتماعی مشاورت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ مشاورت فقہی مجالس اور فقہاء کے اجتماعات کے ذریعے عمل میں لائی جاتی ہے، ان مجالس واجتماعات میں یہ حضرات پیش آمدہ مسائل پر غور وخوص کرتے ہیں اور مسئلہ کی شرعی دریافت کرتے ہیں یہی اسلام کا نظام شوریٰ ہے، دور رسالت سے لے کر آئمہ فقہاء اور دور حاضر تک اس کے عملی شواہد موجود ہیں جو اس کی فکری بنیادوں اور تاریخی ارتقاء پر دلالت کرتے ہیں۔ اسلامی قانون کی تدوینِ نو کے لیے اسی طرح کے نظام شوریٰ اور اجتماعی اداروں کی ضرورت ہے جس کے لیے صاحبِ نظر فقہاء ایک عالمی فقہی اکیڈمی کے قیام کے لیے کوشاں ہیں۔ طریقہ اجتہاد کی از حد ضروری شکل اجتہاد بالمقاصد ہے۔ یعنی اجتہادی عمل میں علت کو پیش نظر رکھنے کے ساتھ مقاصد شریعت کو پیش نظر رکھا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وہ تمام اجتہادات جنہیں اولیاتِ عمر کہا جاتا ہے تمام تر مقاصد شریعت کی بنیاد پر ہیں لیکن چوں کہ اجتہاد بالمقاصد ایک مشکل ترین منہج تھا اس لیے ماضی میں مقصد کی بجائے علت معلوم کر کے تنقیحِ مناط اور تحقیقِ مناط پر حکم شرعی معلوم کرنے کا طریقہ مقبول ہو گیا، فقہاء اصولیین کی اب یہ رائے پختہ ہو گئی ہے کہ مقاصد شریعت کو بطور منہجِ اجتہاد اختیار کرنے میں پورے فقہی ذخیرے کا از سر نو جائزہ لے کر اسے مقاصد شریعت سے ہم آہنگ کر دیا جائے۔

5۔اصول تیسیر

فقہی احکام کی ایک بنیاد تَیْسِیْر (سہولت پہچانا) ہے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں کئی مقامات پر کیا گیا ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ[30]

---

[29]۔ منصوری، محمد طاہر، اجتماعی اجتہاد، تصور، ارتقاء اور عملی صورتیں، ابتدائیہ، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد 2007ء

Manṣūrī, Muḥammad Ṭāhir, Ijtimāʿī Ijtihād, Taṣawwur, Irtiqā' aur ʿAmalī Sūraten, Ibtidā'iya, Idāra Taḥqīqāt-e-Islāmī, Bīn al-Aqwāmī Islāmī University, Islāmābād, 2007ʾ..

[30]- القرآن ، سورة البقره ، ۲: ۱۸۵

ترجمہ: اللہ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا مطلوب ہے سختی کرنا مقصود نہیں ہے۔

حدیثِ مبارکہ میں بھی اس اصول کو بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ

بیشک دین آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی اختیار کرے گا تو دین اس پر غالب آ جائے گا (اور اس کی سختی نہ چل سکے گی) پس (اس لیے) اپنے عمل میں پختگی اختیار کرو۔ اور جہاں تک ممکن ہو میانہ روی برتو اور خوش ہو جاؤ (کہ اس طرز عمل سے تم کو دارین کے فوائد حاصل ہوں گے) اور صبح اور دوپہر اور شام اور کسی قدر رات میں (عبادت سے) مدد حاصل کرو۔[31]

رسول اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کو جب دو چیزوں میں سے ایک کے انتخاب کا اختیار دیا گیا تو آپ ﷺ نے زیادہ آسان چیز کو اختیار فرمایا بشرط کہ وہ گناہ نہ ہوتا۔[32]

اس سے ہمیں قانون سازی میں ایک بنیادی اصول دے دیا گیا کہ ہم لوگوں کی آسانی کو ملحوظ خاطر رکھیں بشرط کہ وہ آسانی گناہ کے زمرے میں نہ آتی ہو۔

عالمی فقہ کی تدوین

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ اصول تلفیق، اصول مصلحت، اصول عرف وعادت، اصول مقاصد اور اصول تیسیر کو سامنے رکھتے ہوئے اصول فقہ کی تدوینِ نو ممکن ہو سکتی ہے۔ اصول فقہ کے دیگر قواعد وضوابط کی نسبت ان اصولوں کا اطلاق اور اس کے دائرہ کار کو وسیع کرنے کی عصر حاضر میں مزید ضرورت در پیش ہے۔ انہی اصولوں کی بناء پر آج مختلف فقہی مذاہب کی بجائے اسلامی فقہ یا عالمی فقہ کی تدوین نو کی جا سکتی ہے جو کہ اُمت میں اتحاد و یگانگت کا ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے۔

Al-Qur'ān, Sūrat al-Baqarah, 2:185.

[31] ۔ بخاری، الجامع، کتاب الایمان، باب الدین یسر، رقم الحدیث ۳۹

Bukhārī, al-Jāmiʿ, Kitāb al-Īmān, Bāb al-Dīn Yusr, Raqm al-Ḥadīth 39.

[32] ۔ ایضاً، کتاب الحدود، باب اقامۃ الحدود، رقم الحدیث ٦۷۸٦

Ayḍan, Kitāb al-Ḥudūd, Bāb Iqāmat al-Ḥudūd, Raqm al-Ḥadīth 6786.

مصطفیٰ احمد الزرقاء، یوسف القرضاوی اور وھبہ الزحیلی نے فقہ اسلامی کی جدید تدوین اور نئے مسائل کے حل کے لیے کسی بھی فقہی مذہب کے التزام کی بجائے تمام فقہی مذاہب سے اخذ واستفادہ کی ضرورت واہمیت پر بڑا زور دیا ہے۔[33] مصطفیٰ احمد الزرقاء رقم طراز ہیں:

ان الضيق عن الحاجات التشريعية العصرية ليس هو فى الفقه الإسلامى عامة، وانما هو فى كل مذہب فردى على حدة۔ و مايضيق عنه المذہب الواحد و نظرياته ففى مذہب آخر سعة منه و علاج۔ ولم يؤجد تشريع كثرت فيه الاجتهادات واتسعت الآراء كا التشريع الاسلامى... وليس من المحتم أن يأخذ كل قطر مذهب أحد المجتهدين بكامله، بل يمكن أن يؤخذ من قواعد كل مذہب و أحكامه مايرى أنه الأليق بالمصالح الزمنية ۔[34]

علامہ یوسف القرضاوی بھی دور جدید میں اسلامی قانون کی ترویج و تنفیذ کے سلسلہ میں تمام فقہی مذاہب کے اجتہادات ومسائل سے استفادہ کو ازحد ضروری خیال کرتے ہیں۔ان کی رائے میں "اس دور میں ایک عام قانون جاری کرتے وقت یہ ضرور کرنا چاہیئے کہ مذہبی اجتہادات میں سے ایسے اجتہاد کا انتخاب کرلیا جائے جو دلائل کے اعتبار سے راجح اور ماخذ کے لحاظ سے مضبوط ہو۔ایسا کرنا شرعی مقاصد اور عوام کے مفاد کے لیے بہت ضروری ہے۔"[35]

یوسف القرضاوی نے اپنی مشہور تصنیف الحلال والحرام فى الإسلام میں جو اسلوب اختیار کیا ہے اس کے بارے میں وہ رقم طراز ہیں:

ولم أرض لعقلى أن أقلد مذهباً معيناً فى كل القضايا والمسائل أخطا أو أصاب... لم أحاول أن أقيد نفسى بمذهب فقهى من المذاهب السائده فى العالم الإسلامى ذلک أن الحق لايشتمل عليه مذهب واحد۔ وأئمة هذه المذاہب المتبوعة لم يدعوا لأنفسهم العصمة، وإنما هم مجتهدون فى تعرف الحق... وغير لائق بعالم مسلم يملك وسائل الموازنة والترجيح أن يكون أسير مذهب واحد، أوخاضعا لرأي فقيه

[33] ۔الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ا / ۱۰۶- ۱۰۷، ۱۱۴- ۱۱۵۔

Al-Fiqh al-Islāmī wa Adillatuh: 1/106–107, 114–115.

[34] ۔الزرقاء، المدخل الفقہی العام: ۱ / ۲۰۶- ۲۱۰۔

Al-Zarqāʾ, al-Madkhal al-Fiqhī al-ʿĀmm: 1/206–210.

[35] ۔یوسف القرضاوی، عصر حاضر میں نظام زکوٰۃ: ترجمہ: حکیم اللہ، فکر و نظر، اسلام آباد، ض: ۳: ۴۰

Yūsuf al-Qaraḍāwī, ʿAṣr-Ḥāḍir mein Niẓām-e-Zakāh: Tarjumah: Ḥakīm Ullah, Fikr wa Naẓar, Islāmābād, Ḍ. 40:3.

معين، بل الواجب أن يكون أسير الحجة والدليل، فماصح دليله و قويت حجته، فهو أولى بالإتباع، وما ضعف سنده و وهت حجته، فهو مر فوض مهما يكن من قال به... [36]

دورِ جدید میں خصوصاً اجتماعی اجتہاد کے نتیجے میں قانون اسلامی کی تدوین کے سلسلہ میں غالب رجحان اس مؤخر الذکر طریق کار اور اسلوب کی طرف ہے۔ اس وقت مسلم دنیا میں مختلف فقہی مذاہب کے امتزاج سے ایک نئی آفاقی اسلامی فقہ تشکیل پا رہی ہے جس کو نہ فقہ حنفی کہہ سکتے ہیں، نہ مالکی، نہ حنبلی اور نہ شافعی بلکہ اس کو اسلامی فقہ ہی کہا جائے گا۔ اس کے لیے Cosmopolitan Fiqh یعنی عالمی فقہ کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ [37]

مغربی ویورپی ممالک میں کہ جہاں اطراف واکناف عالم سے مختلف فقہی مذاہب کے پیروکار مسلمان اکٹھے ہوئے ہیں وہاں پر کسی خاص فقہی مسلک کی شناخت اور پابندی پر اصرار کے بجائے اسی مذکورہ نوع کی آفاقی فقہ جس میں تمام فقہی مذاہب کا حسین امتزاج پایا جاتا ہو، کی تشکیل کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی جارہی ہے اور ان ممالک میں موجود مسلمانوں کی دینی اور فقہی معاملات میں رہنمائی کے لیے سرگرم ادارے اسی راہ پر گامزن دکھائی دیتے ہیں۔

قانون اسلامی کی تدوینِ نو کے یہی دو طریقے ہیں جو جمہور مسلمانوں کے ہاں قابل قبول ہو سکتے ہیں۔ تدوین جدید کا کوئی ایسا منہاج جس میں فقہ اسلامی کے عظیم سرمایہ کو فرسودہ وناکارہ قرار دے کر اس سے استفادہ کو مسترد کیا گیا ہو اور اس باب میں مکمل طور پر آزادانہ اجتہاد اور عقل ورائے پر انحصار کیا گیا ہو، اختیار کرنے سے امت کا اپنا قدیم ورثے سے رشتہ کٹ جاتا ہے تدوینِ جدید کا ایسا منہاج اور طریقہ کار جمہور امت کے ہاں قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ [38]

نتائج بحث

اس آرٹیکل کے اہم نتائج درج ذیل ہیں۔

[36]۔ يوسف القرضاوى، ، الدكتور، الحلال والحرام في الإسلام:"مقدمة الطبعة الاولىٰ"،لبنان، بيروت، مؤسسة الرسالة، ۱۹۹۴ء، ص: ۱۳۔ ۱۴۔

Yūsuf al-Qaraḍāwī, al-Duktūr, al-Ḥalāl wa al-Ḥarām fī al-Islām: "Muqaddimat al-Ṭabʿa al-Ūlā", Lubnān, Bayrūt, Mūʾassasat al-Risālah, 1994ʾ, Ṣ. 13–14.

[37]۔غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات فقہ: الفیصل ناشران و تاجران کتب،لاہور، س ن، ص : ۵۳۴۔

Ghāzī, Maḥmūd Aḥmad, Dākṭar, Muḥāḍarāt Fiqh: Al-Faiṣal Nāshrān wa Tājirān-e-Kutub, Lāhaur, S.N., p. 534.

[38]۔زاہد الراشدی، ابو عمار، دور جدید میں اجتہاد اور اس کی قابل عمل صورتیں: ص:۲۵ - ۳۳۔

Zāhid al-Rāshidī, Abū ʿAmmār, Daur-e-Jadīd mein Ijtihād aur Iski Qābil-ʿAmal Sūraten: p. 25–33.

۱۔ معاشرتی تبدیلیوں کی اہمیت: دورِ حاضر کی تیز رفتار تکنیکی پیشرفت، عالمی سطح پر ہونے والی تبدیلیاں، اور سماجی وثقافتی عوامل نے اسلامی فقہ کے اصولوں کو نئے چیلنجز سے دوچار کیا ہے۔ ان تبدیلیوں کے نتیجے میں، فقہ کی بنیادوں کو موجودہ حالات کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے تاکہ اسلامی قانون ان پیچیدہ مسائل کا حل فراہم کر سکے جو جدید دنیا پیش کرتی ہے۔

۲۔ اجتہاد کی ضرورت: اجتہاد (مذہبی مسائل میں مستقل اور جدید فقہی استدلال) کی اہمیت کو دوبارہ اجاگر کیا گیا ہے۔ جدید فقہی مسائل جیسے انسانی حقوق، ماحولیاتی انصاف، اور معاشی عدلیہ کے شعبوں میں اجتہاد کا نیا طریقہ کار اپنانا ضروری ہے تاکہ اسلامی قانون کی روح اور اصولوں کے مطابق ان مسائل کو حل کیا جاسکے۔

۳۔ مصلحت کا جدید تصور: اسلامی فقہ کی تدوینِ نو کے دوران مصلحت کے تصور کو اہمیت دی گئی ہے، جس کے ذریعے جدید مسائل میں عوامی فائدے کو مد نظر رکھتے ہوئے فیصلے کیے جاسکتے ہیں۔ یہ ضرورت ہے کہ مصلحت کے اصول کو جدید دور کے تقاضوں کے مطابق بہتر سمجھا جائے اور اس کے استعمال میں فراست اور بصیرت کا مظاہرہ کیا جائے۔

۴۔ معلوماتی اور معاشی میدان میں فقہ کی تطبیق: فقہ کی تدوینِ نو میں اس بات پر زور دیا گیا کہ فقہ کو جدید معاشی اور معلوماتی میدان میں بھی لاگو کیا جائے۔ مثلاً، بینکنگ، مالیاتی نظام، کمپیوٹر سائنس، اور ڈیجیٹل کرنسی کے معاملات میں فقہی رہنمائی فراہم کرنے کے لیے نئے اصولوں کی ضرورت ہے۔

۵۔ بین الاقوامی سطح پر فقہ کی تطبیق: عالمی سطح پر اسلامی فقہ کے اصولوں کو تسلیم کرنے اور ان کو مختلف ثقافتوں اور سماجی ڈھانچوں میں مؤثر بنانے کے لیے بین الاقوامی سطح پر فقہ کی تفہیم اور اس کے اطلاق پر غور کرنا ضروری ہے۔، بلکہ موجودہ عالمی تناظر میں بھی قابلِ عمل اور مناسب بنانے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے فقہ کے اصولوں کی تطبیق میں نرمی، لچک اور جدید مسائل کے حل کے لیے اصول تلفیق، اصول مصلحت، اصول عرف وعادت، اصول تیسیر، اصول مقاصد وغیرہ کو عصری تقاضوں کے مطابق اپنایا جائے۔

۶۔ **فقہ کا عادلانہ اور انسانی حقوق پر زور:** فقہ کی تدوینِ نو میں انسانی حقوق، مساوات، اور عدلیہ کے نظام میں انصاف کی فراہمی پر زور دیا گیا ہے۔ اسلامی فقہ کو ان اقدار کے مطابق ڈھالنا ضروری ہے تاکہ عالمی سطح پر انسانی وقار اور حقوق کا تحفظ کیا جاسکے۔ اختتاماً، یہ تحقیق اس بات پر زور دیتی ہے کہ اصول الفقہ کی تدوینِ نو کے ذریعے اسلامی فقہ کو دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق جدید اور فعال بنایا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے اجتہاد، مصلحت، اور جدید اسالیبِ فقہ کو بروئے کار لانے کی ضرورت ہے تاکہ اسلامی قانون نہ صرف اپنی روح کے مطابق قائم رہ سکے بلکہ عالمی چیلنجز کا مقابلہ بھی کر سکے۔

سفارشات: اس آرٹیکل کی اہم سفارشات حسب ذیل ہیں:

ا۔ مسلمانوں کے روشن مستقبل کے لیے یہ بات از حد ضروری ہے کہ مسلمان فقہ اور اصول الفقہ کے بارے میں اپنے رویہ پر نظر ثانی کریں نوجوان نسل کو با قاعدہ دلائل کے ساتھ اس کا فہم دیں اور اس عظیم الشان ذخیرۂ علم کو نئی نسل تک منتقل کرنے کے لیے گزشتہ صدیوں پر محیط اس علم کے ذخیرے کو اس طرح update کریں کہ اس کا رشتہ سابقہ ذخیرے سے بھی نہ ٹوٹنے پائے اور یہ جدید تقاضوں سے بھی ہم آہنگ ہو جائے۔

۲۔ اگر بعض معاملات میں نیا فہم ماضی کے فہم سے مختلف بھی ہو تو اس کو دلائل سے بخوبی مزین کر دیا جائے اور ایسا ہونا قرونِ اولی کے آئمہ مجتہدین کے فہم کا تسلسل اور احیاء ہی ہو گا۔

۳۔ تدوینِ نو کے عمل میں اس بات کو خاص طور پر امر نظر رکھا جائے کہ ادق اور مشکل الفاظ، عبادات کو آسان تر بنایا جائے تاکہ دورِ حاضر کا عامی آدمی ان اصطلاحات کے مفاہم سے آگاہ ہو گا۔

۴۔ غیر منصوص مسائل میں سائنسی اصولوں کی بنیاد پر اصول الفقہ کی نئی بنیادوں پر غور کر کے اس کی تدوینِ نو کی جائے، کیوں کہ اس میں ہی انسان کی بھلائی ہے کہ مصالح، تیسیر اور عرف وعادت کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسے مسائل میں سائنسی تحقیقات کو بطور معاونِ فن کے شامل کیا جانا چاہیے۔

۵۔ بین الاقوامی سطح پر فقہ کی تطبیق کرتے ہوئے نئے مسائل حل کرتے ہوئے فقہی مسالک کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مصلحت، سہولت اور جدید عرف وعادت کو سامنے رکھتے ہوئے بین الاقوامی اداروں کے تحت نئے فقہی مسائل کا حل کیا جا سکے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License